# اقبال اور اخبار ''طریقت''

محمد عبداللہ قریشی

حضرت علامہ اقبال کے ایما پر منشی محمد الدین فوق مدیر اخبار ''کشمیری'' لاہور نے جو رسالہ ''طریقت'' جاری کیا تھا اس مضمون میں اسکے متعلق چند ایسی باتیں بیان کرنی مقصود ہیں جن کا حال بہت کم لوگوں کو معلوم ہے—

یہ تو جانتے ہیں کہ اقبال علیہ الرحمۃ ایک صوفی صافی خاندان سے تعلق اور اولیائے کرام اور صوفیائے عظام سے دلی عقیدت و ارادت رکھنے کے باوجود ایسے صوفیوں اور پیروں سے سخت متنفر تھے جو روحانیات میں ترقی کرنے کی بجائے اپنا پیشہ گرداوری بلکہ گداگری بنا لیتے ہیں اور اپنے مریدوں پر سالانہ ٹیکس لگا کر ان کا خون چوستے ہیں۔ وہ دوسروں کو تو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ دنیا مردار ہے۔ کافروں کے لیئے ہے مومنوں کو عیش و راحت بہشت میں ملیگی۔ لیکن خود دنیا طلبی میں مبتلا ہو کر محل کھڑے کرتے ہیں عالیشان عمارتیں بنواتے اور جائدادیں خریدتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے کلام میں جا بجا اس قسم کے اشارے پائے جاتے ہیں—

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

یا پھر—

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک
نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ

اور اس کی وجہ یہ تھی—

صوفی کی طریقت میں فقط مستی احوال — ملا کی شریعت میں فقط مستی گفتار
شاعر کی نوا مردہ و افسردہ و بے ذوق — افکار میں سرمست نہ خوابیدہ نہ بیدار
وہ مرد مجاہد نظر آتا نہیں مجھکو — ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستی کردار

''شراب الست،، بے عملی کا بہانہ بنی اور مسلمان یہ کہہ کر کہ ''قسمت کا لکھا ھی ایسا تھا،، زندگی کی کشمکش سے بھاگ کھڑا ھوا۔ اور جمود و خمود نے اس کے قوائے عمل پر اپنا تسلط جما لیا—

مجاھدانہ حرارت رھی نہ صوفی میں بہانہ بے عملی کا بنی شراب الست
فقیہ شہر بھی رھبانیت پہ ھے مجبور کہ معرکے ھیں شریعت کے جنگ دست بدست
گریز کشمکش زندگی سے مردوں کی اگر شکست نہیں ھے تو اور کیا ھے شکست؟

نتیجہ یہ ھوا کہ جس قرآن پاک کی تعلیم نے مسلمانوں کو مہ و پروین کا امیر بنا چھوڑا تھا۔ اب اسی قرآن مجید سے ترک جہاں کی تعلیم اخذ کی جا رھی ھے—

اسی قرآن میں ھے اب ترک جہاں کی تعلیم
جس نے مومن کو بنایا مہ و پروین کا امیر
تن بہ تقدیر ھے آج ان کے عمل کا انداز
تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر
تھا جو ناخوب بتدریج وھی خوب ھوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ھے قوموں کا ضمیر

غرض اقبال کی نظر میں مسلمان خود اپنے کو اور اپنے خدا کو فریب دے رھا ھے—

خبر نہیں کیا ھے نام اس کا خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ھوا مسلمان بنا کے تقدیر کا بہانہ

خیر یہ باتیں محض اضافی حیثیت رکھتی ھیں۔ مقصد بیان یہ ھے کہ حضرت علامہ نے اپنے دوست منشی محمد الدین فوق مدیر اخبار ''کشمیری،، لاھور سے کئی دفعہ کہا کہ اس قسم کا کوئی رسالہ جاری کریں جس سے ازنہ صوفیاء کی کوئی اصلاح ھو سکے۔ ان کی غلط تعلیم نے مسلمانوں کو مردہ دل بنا دیا ھے۔ وہ مسلمانوں کے سامنے ایسا اسلام پیش کرتے ھیں جس پر صدھا غلاف چڑھے ھوئے ھیں۔ جب یہ لوگ خود ھی اسلام کی روح سے واقف نہیں تو اپنے مریدوں کو کیا خاک تعلیم دیتے ھوں گے۔ ان کو راہ راست پر لانے اور ان میں عشق الٰہی کی گرمی پیدا کرنے کی سخت ضرورت ھے—

فوق صاحب نے اپنی مجبوریاں ظاھر کیں کہ مجھے ھفتہ وار اخبار ''کشمیری،،

ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ پھر یہ طبقہ ایسا ہوشیار ہے کہ وہ رسالے کے مضامین دیکھ کر ہوا کا رخ پہچان لے گا اور اسے ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔

اقبال نے فرمایا کہ اس کا علاج نہایت سہل ہے۔ شوگر کوٹڈ مضامین لکھئے، گڑ میں زہر ملا کر دیجئے اور اپنے آپ کو بالکل ان کا ہمدرد اور عقیدت مند ظاہر کرکے اس کام کو ہاتھ لگائیے۔ پھر یہ آپ کی بات بھی سنیں گے اور آپ کے مشورے بھی قبول کرینگے۔ اس طرح کچھ خدمت بھی ہو جائے گی اور اصلاح کا مقصد بھی پورا ہو جائیگا۔ دیکھئے! مولانا روم رح کے متعلق یہ قصہ مشہور ہے کہ ایک طرف مولوی اور واعظ شریعت حقہ کے مسائل بیان کرتے تھے۔ دوسری طرف مولانا روم رح اپنی مثنوی کا درس دیتے تھے۔ مثنوی میں بھی وہی باتیں ہوتی تھیں جو دوسرے واعظ سنایا کرتے تھے۔ لیکن مولویوں کے وعظ میں جہاں قال اللہ اور قال الرسول کا ذکر کھلے الفاظ میں ہوتا تھا لوگوں کی جمعیت کم ہوتی تھی۔ مگر مولانا روم رح کی مثنوی کے وعظ میں صدہا لوگ جمع ہو جاتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ مولانا روم رح نے وہ اصلاحی رنگ اختیار کیا تھا جسے لوگ جلد قبول کر سکتے تھے۔ انہوں نے قوم کی نبض دیکھ کر عوام کا مذاق تاڑ لیا تھا اور وہ اسی کے مطابق کتاب و سنت کے مسائل بیان کرتے تھے۔ برخلاف اس کے دوسرے لوگ خشک ملا تھے۔ اس لئے ناکام رہتے تھے۔ آپ بھی اگر پیروں اور صوفیوں میں گھل مل جائینگے تو وہ آپ کی بات کا برا نہ مانیں گے اور آپ کے خلوص کی قدر کرینگے۔

گفتار کے غازی نے کردار کے غازی کو قائل کر ہی لیا اور اگست ۱۹۱۴ء میں فوق صاحب نے رسالہ طریقت جاری کر دیا۔ پہلے پرچہ میں ابرالاعجاز حضرت احسان شاہجہان پوری۔ خواجہ حسن نظامی دہلوی۔ لسان العصر اکبر آبادی۔ خان احمد حسین خان (مدیر شباب اردو) مہاراجہ سر کشن پرشاد شاد۔ خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی جیسے نامور بزرگوں کے مضامین نظم و نثر کے علاوہ ایک دلچسپ مکالمہ بھی شائع ہوا جو اقبال اور فوق کے درمیان ہے یہ سب حضرات اب رحلت فرما چکے ہیں۔

فوق صاحب کے اپنے ادارتی مضمون کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے پرچہ نکالنے سے قبل حضرت علامہ کی خدمت میں حاضر ہوکر صوفیائے کرام۔ تصوف۔ مراسم عرس۔ ضرورت مرشد اور زیارت قبور وغیرہ کے متعلق ان کے خیالات دریافت کئے تھے۔ اقبال نے جواب میں جو کچھ ارشاد فرمایا تھا وہ بھی

لکھ لیا تھا اور انکی نظر ثانی کے بعد رسالہ میں درج کر دیا تھا۔ اقبال نے اپنے جوابات میں حقائق و معارف کے دریا بہائے ہیں۔ یہ شراب اگرچہ کسی قدر پرانی ہو چکی ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ اقبال کے یہ زریں خیالات آج بھی ہر تعلیم یافتہ نوجوان کے غور و فکر کے قابل ہیں۔ اس لئے میں فوق صاحب کے سوالات اور اقبال کے جوابات اس رسالہ سے لے کر یہاں پیش کرتا ہوں —

بیا بہ مجلس اقبال یک دو ساغر کش
اگر چہ سر نہ تراشد قلندری داند

فوق — صوفیوں سے اسلام کو کیا فائدہ پہنچا؟

اقبال — اہل تصوف خصوصاً ہندوستان کے صوفیائے عظام نے اسلام کو وہ رونق بخشی اور بجائے تیر و تلوار کے محض حسن عمل اور اخلاق محمدی کے ذریعے اس کی وہ اشاعت کی کہ ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں میں چھ کروڑ یقیناً ان ہی بزرگوں کے فیوض و برکات کا نتیجہ ہیں —

فوق — صوفیوں سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچا؟

اقبال — مسلمانوں کی اخلاقی زندگی پر صوفیائے کرام نے بہت بڑا اثر ڈالا۔ تمام ایسے اوصاف جو اخلاقی پہلو سے انسانیت کا خاصہ ہیں محض ان ہی بزرگوں کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہیں۔ انھوں نے انسانوں کو انسان اور پھر مسلمانوں کو مسلمان بنایا —

فوق — مسلم پالیٹکس کو ان سے کیا فائدہ ہوا؟

اقبال — صوفیوں کا گروہ پولیٹکل معاملات سے ہمیشہ علیحدہ رہا ہے۔ تصوف کا مقصد تزکیہ نفس۔ اصلاح باطن اور نفس کشی ہے۔ اس لئے اس نے ملکی الجھنوں میں بہت کم بلکہ بالکل دخل نہیں دیا۔ البتہ بعض بعض سلاطین کو جو اپنے شاہانہ فرائض سے غافل ہو کر ملک میں فتنہ و فساد کا باعث ہوتے رہے ہیں۔ تادیبی ہدایات فرماتے رہے ہیں جیسا کہ تواریخوں کے مطالعہ اور صوفیائے کرام کے حالات سے اکثر ظاہر ہوتا ہے —

فوق — اسلامی تصوف دنیاداری کے متعلق کیا تعلیم دیتا ہے؟

اقبال—اسلامی تصوف کی یہی تعلیم ہے کہ وہ دین کے ساتھ دنیا بھی رکھے۔ اسلام رہبانیت کے خلاف ہے اور گھربار۔ اہل و عیال کو ترک کرکے جنگلوں اور بیابانوں میں زندگی بسر کرنے کو نا پسند کرتا ہے ۔ اسلامی تصوف ایسے یوگ کو جو صرف اپنی ذات کے لئے ہو ایک بے فیض اور خشک چشمہ سے تشبیہ دیتا ہے۔ بیشک یکسوئی حاصل کرنے کے لئے خلوت و عزلت نشینی کی ضرورت ہے ۔ لیکن تمام لوگ اس کے اہل نہیں ہوتے۔ در اصل ترک دنیا ایک برا نمونہ ہے اہل دنیا کے کار و بار کے لئے بلکہ یہ صریح خلاف ورزی ہے الہی قانون کی جو انسانی نسل کے بڑھتے رہنے اور اس کے پھولنے پھلنے کا متمنی ہے—

فوق—عرس کی رسم کب سے جاری ہے؟

اقبال—عرب اور دیگر ممالک اسلامیہ کی تو خبر نہیں۔ لیکن ہندوستان کے عرسوں کے متعلق یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ہندوؤں میں چونکہ جاترا کی رسم عرصہ دراز سے چلی آئی ہے اور وہ دور دراز ممالک سے بعض خاص تیرتھوں پر جاترا کے لئے جایا کرتے تھے ۔ اس لئے جب وہ رفتہ رفتہ مشرف بہ اسلام ہونے لگے تو ان کو اسلام سے مانوس کرنے کے لئے ایسے طریقے اختیار کئے گئے جو ان کے مذہبی اور قومی شعائر سے کسی قدر مشابہ تھے۔ یہ میرا قیاس ہے یقینی نہیں ہے—

فوق—عرس کا مقصد کیا ہے؟

اقبال—عرس کا مقصد تو در اصل یہ ہے کہ جس بزرگ کا عرس ہو اس کے سبق آموز حالات بیان کئے جائیں۔ لوگوں کو اس کے اچھے عمل کی تقلید و پیروی کی ترغیب دی جائے۔ لیکن افسوس ہے کہ موجودہ عرسوں کا بیشتر حصہ اپنے اصلی مقصد سے دور ہٹ چکا ہے اور محض بے خبر ہے—

فوق—صوفی لوگ موجودہ زمانے کی جد و جہد میں ہمارے لئے کس طرح مفید ہو سکتے ہیں؟

اقبال—اہل تصوف خصوصاً ان بزرگوں کا جو صاحب اثر ہیں اور اپنے عقیدت مندوں کا بہت بڑا حلقہ رکھتے ہیں ۔ یہ نہایت ضروری فرض ہے کہ وہ اپنے معتقدوں اور ارادت مندوں کو اپنے اثر میں رکھیں اور ان کی زندگی کو

مذہبی اور اخلاقی پہلو سے ایک کامیاب زندگی بنا دیں۔ سوشل ترقی کے لئے جد و جہد کرنا بھی ایک قسم کی بیداری ہے اور یہ بیداری جب کبھی ہوگی حضرات صوفیہ کے پاک نفوس ہی سے ہوگی۔

**فوق**—اولیاء کی کرامتوں کے متعلق کیا خیال ہے؟

**اقبال**—میں کرامتوں کا قائل ہوں اور میرا خیال ہے کہ وہ پاک نفوس جن کو اللہ تعالیٰ نے خاص دل اور خاص دماغ عطا کیا ہے اور جو تزکیہ نفس میں صاحب کمال میں تیر از کمان رفتہ اور آب از جو رفتہ واپس لا سکتے ہیں—

اولیاء را ہست قدرت از الٰہ
تیر جستہ باز گرداند ز راہ

**فوق**—قبروں پر جانا چاہئے یا نہیں؟

**اقبال**—اگر مراد اس سے قبر پرستی ہے یعنی صاحبان قبور سے حاجات طلب کی جائیں جس طرح خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر کی جاتی ہیں تو میں اسکے سخت خلاف ہوں بلکہ اس کو سخت گناہ سمجھتا ہوں اور اگر قبروں پر جانے سے مطلب فاتحہ پڑھنا۔ عبرت حاصل کرنا اور موت کو یاد کرنا ہے تو میرے نزدیک اس میں کوئی ہرج نہیں بلکہ ایسا ضرور ہونا چاہئے۔ اس کے علاوہ اس بات کا بھی قائل ہوں کہ قبرستانوں پر خصوصاً کسی صاحب دل کے مزار پر جانے سے صفائی باطن بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

**فوق**—پیر کی ضرورت ہے یا نہیں؟

**اقبال**—پیر یا مرشد کی سخت ضرورت ہے۔ اس کے بغیر انسان کبھی صحیح اور کامل راستہ نہیں دیکھ سکتا۔ روحانی فائدہ تو ان بزرگوں سے صرف انہیں لوگوں کو ہوگا جو اہل دل ہیں۔ جن کے دل میں درد ہے۔ جن کے قلب میں گرمی اور جن کی روح میں تڑپ ہے۔ لیکن کم سے کم اخلاقی فائدہ تو ہر مرید حاصل کر سکتا ہے۔ پیر کی صحبت سے (بشرطیکہ پیر دوکانداری نہ کرتا ہو) ہر مرید اپنا اخلاق سنوار سکتا ہے اور جس کا اخلاق درست ہے۔ جس کے افعال ٹھیک ہیں اور جس کے اعمال "اعمال حسنہ" کہے

جاتے ہیں اس سے بڑھ کر اور کون بہترین انسان ہو سکتا ہے؟

فوق—از منہ سلف کے سے اب پیر کیوں نہیں ہوتے؟

اقبال—اس کی وجہ یہ ہے کہ سوسائٹی ان اوصاف سے معرا ہے جن سے ایسے نیک وجود پیدا ہو سکتے ہیں یورپ اور امریکہ میں بڑے بڑے عالم فلاسفر اور موجد پیدا ہوتے ہیں بلکہ دنیا کی کار و باری زندگی میں مشینوں۔ انجنوں اور نت نئی ایجادوں کے ذریعہ جس قدر انقلاب ان لوگوں نے پیدا کیا ہے۔ اس نے تمام دنیا اور بالخصوص اہل ہند کو عالم حیرت میں ڈال دیا ہے۔ مگر اس پر کبھی غور بھی کیا گیا ہے کہ یورپ اور امریکہ کے عالموں۔ فلاسفروں اور موجدوں کی طرح اور ممالک میں ایسے لوگ کیوں پیدا نہیں ہوتے؟ اس کے جواب میں سوائے سوسائٹی کے تاثرات کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ جہاں علم و ہنر کا چرچا نہیں۔ جہاں دماغوں سے سوچنے اور غور کرنے کا کام نہیں لیا جاتا۔ وہاں ایک فلاسفر۔ ایک عالم اور ایک موجد کس طرح پیدا ہو سکتا ہے؟

لیکن بعض مستثنیات بھی ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ دکھانے کے لئے بعض دفعہ ایسے امور کا اظہار بھی کر دیتا ہے کہ سوسائٹی کا اثر بالائے طاق رہ جاتا ہے اور انسان کو اپنی عاجزی اور بندگی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً گوتم بدھ کا ایک بادشاہ کے گھر میں پیدا ہونا اور پھر فقیری اختیار کر لینا۔ سوسائٹی کے اثر پر اگر غور کیا جائے تو گوتم بدھ کے گرد و پیش جس قسم کی سوسائٹی تھی وہ دکھ۔ بیماری۔ فقر و فاقہ اور درد دل سے بالکل لا علم اور عیش و عشرت اور تفریح و مسرت میں مست و محو رہا کرتی تھی۔ ایک بادشاہ کا بیٹا دکھ محسوس کرتا ہے۔ ایک عالم کی تکلیفوں کو اپنی ذاتی تکلیف سمجھتا ہے اور اسی قلق سے مضطرب ہو کر سلطنت ترک کر دیتا ہے۔

عرب جیسے جاہل اور اجڈ ملک میں جہاں دنگہ فساد۔ خون خرابہ۔ لڑکیوں کا قتل اور دنیا جہان کے دیگر عیوب ایک معمولی بلکہ تفریح کی بات سمجھے جاتے تھے۔ وہاں ایک شخص درگاہ رب العزت سے اس قسم کا غیر معمولی دل و دماغ لیکر آتا ہے جو ایک عالم میں نہ مٹنے والا انقلاب اور دلوں سے نہ محو ہونے والی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ میری مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ جو دنیا کے سب سے بڑے آدمی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت خاص کا ایک

روشن نمونہ تھے۔ ان کے گرد و پیش اور نواحیات میں جس قسم کے حالات تھے ان کا خاکہ مولانا حالی نے اپنی ایک نظم میں اتارا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ اہل عرب بات بات پر لڑتے تھے اور لڑائی کا سلسلہ صدیوں تک جاری رکھتے تھے۔ ایک خدا کی جگہ کئی کئی خدا اور اپنے ہی ہاتھ کے بنائے ہوئے بت پوجتے تھے۔ شخصیت پرستی کا دور دورہ تھا۔ شراب اور فواحشات کی گرم بازاری تھی۔ انصاف اور قانون کا نام و نشان نہیں تھا۔ ان حالات کی موجودگی میں ایسے رحمت اللعالمین کے وجود ذی جود کی کس طرح توقع ہو سکتی تھی جس نے عرب — جاہل عرب — کو وہ قابل فخر خطہ بنا دیا کہ آج تمام دنیا کے مسلمان سر زمین عرب کو دنیا کا بہترین و افضل ترین ٹکڑا تصور کرتے اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر جان فدا کرنے کو تیار ہیں۔

درحقیقت یہ ایک الہی قانون ہے کہ بڑے بڑے آدمی وہاں پیدا ہوتے ہیں جہاں ان کے پیدا ہونے کی بظاہر کوئی توقع نہیں ہوتی۔

اس مکالمہ سے پتہ چلتا ہے کہ اقبال کی صحبتوں میں وہ باتیں معلوم ہوتی تھیں جن کی آپ کے اشعار میں محض کہیں کہیں دھوپ چھاؤں سی ملتی ہے۔

"رسالہ" طریقت کی علمی حیثیت چونکہ بہت بلند تھی اس لئے ملک کے گوشے گوشے میں اس کی پذیرائی ہوئی۔ پیر سید جماعت علی شاہ مرحوم و مغفور محدث علی پوری کی وساطت سے پنجاب۔ کشمیر۔ حیدرآباد دکن اور میسور کے اکثر صاحبان اثر نے معقول امداد دی۔ پیر سید محمد حسین سجادہ نشین آلو مہار شریف نے حافظ جھنڈا مرحوم سکنہ گوجرانوالہ کو جن کی پنجابی نظمیں ان کی خوش الحانی کی وجہ سے مقبول عام تھیں۔ فوق صاحب کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اگر آپ ہمارے ہاں کے کچھ حالات چھاپ دیا کریں تو ہم سر دست ایک سو خریدار دے سکتے ہیں۔ آوان شریف والوں سے بھی مدد ملی [۱]۔ بہاول پور۔ تونسہ شریف اور کپورتھلہ کے اہل دل حضرات نے بھی کافی خریدار دئے۔

غرض تھوڑے ہی عرصہ میں اس رسالہ کی اشاعت دو ہزار تک پہنچ گئی۔

---

۱ یہاں یہ بات شاید بہت سے اصحاب کی معلومات میں اضافے کا باعث ہو کہ اقبال خود بھی بچپن سے سلطان العارفین حضرت ثانی سلطان محمود صاحب دربار آوان شریف کے مرید تھے۔

عام لوگوں نے بھی اسے پسند کیا اور ھندو بھی خاصی تعداد میں اس کے خریدار بنے۔ اقبال اپنے لگائے ہوئے پودے کو پھلتا پھولتا دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ فوق صاحب کار و بار میں زیادہ مصروف رہنے کی وجہ سے کچھ عرصہ ان کی ملاقات کو نہ جا سکے۔ اس پر آپ نے فوق صاحب کو یہ خط ۱ لکھا۔

ڈیر فوق

..........آپ کبھی ملتے ھی نہیں۔ اب تو آپ ''پیر طریقت،، بھی بن گئے۔ خدا کرے جلد حافظ جماعت علی شاہ صاحب کی طرح آپ کے ورود کشمیر کے متعلق اطلاعیں شائع ہوا کریں۔ والسلام

۲۳ جولائی ۱۹۱۰ء

آپ کا خادم
محمد اقبال

پیر جماعت علی شاہ صاحب کا نام آگیا تو لگے ہاتھوں فوق صاحب کے اپنے الفاظ میں ان کی چند صحبتوں کا ذکر بھی سن لیجئے جو دلچسپی سے خالی نہیں۔ فرماتے ہیں :—

''۱۹۱۰ء کا ذکر ہے۔ میں انجمن اسلامیہ پونچھ کی دعوت پر پونچھ جانے والا تھا اور مولوی محمد عظیم گھکھڑوی مرحوم کو بھی ان کی تحریری خواہش کے مطابق اپنے ساتھ لیجانے کے لئے تیار کر رکھا تھا مولوی محمد عظیم میرے دوستوں میں تھے۔ وعظ بہت اچھا کہتے تھے اور حضرت شاہ صاحب کے ممتاز مریدوں میں تھے۔ پہلے ہم دونوں کو جموں پہنچنا تھا۔ وہاں بھی انجمن اسلامیہ کا جلسہ تھا جہاں میری نظم تھی اور ان کا وعظ۔ وہاں پہنچے تو حضرت شاہ صاحب بھی اسی سلسلے میں تشریف فرما تھے۔ جلسہ سے فارغ ہو کر میں نے مولوی محمد عظیم سے روانہ ہونے کو کہا۔ انھوں نے کہا میں تو حاضر ہوں۔ لیکن حضرت صاحب سے اجازت کی ضرورت ہے میں نے کہا اگر اجازت نہ ملی تو پھر؟ وہ کھسیانے سے ہوگئے۔ لیکن پھر کہا کہ آپ بھی حضرت صاحب سے ذکر کریں۔ میں نے ذکر کیا تو جواب ملا کہ سیالکوٹ تک تو چلو۔ غرض وہاں گئے مگر وہاں دعوتوں کی کثرت اور لوگوں کے آنے جانے کی وجہ سے کسی گفتگو کا موقع ھی نہ مل سکا۔ آخر ایک دن ہمت کر کے ان سے عرض کیا کہ پونچھ میں جلسہ کا دن نزدیک

---

۱ رسالہ نقوش مکاتیب نمبر جلد اول صــــ۲۹

آرہا ہے ۔ پرسوں تک وہ کہوٹلہ میں ہمارے لئے سواری اور اپنے آدمی بھیج دیں گے اور یہاں کچھ عرض کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا ۔ بات صرف اتنی ہے کہ پونچھ کے مسلمانوں کو جو اسلامی احکام و تعلیم سے بے خبر ہیں ۔ سیدھا راستہ بتانے کے لئے آپکے ایک مرید عقیدت مند کو ہمراہ لے جانے کی ضرورت ہے ۔ فرمایا۔ اچھا صبح دیکھا جائیگا۔

میں نے صوفی کرم الٰہی بی۔اے وکیل سیالکوٹ سے جو ان کی انجمن خدام الصوفیہ کے سکریٹری اور ان کے مرید خاص تھے، اپنی روحانی تکلیف کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ آپ ہی حضرت صاحب سے سفارش کریں ۔ آپ نے جواب دیا میری تو اس قدر جرأت نہیں ۔ میں نے کہا ۔ آخر وجہ؟ کہا مرید ہوکے دیکھ لو۔ میں نے کہا ایسی مریدی سے باز آیا جو تھوڑی بہت جرأت اور رہی سہی آزادی کا بھی خاتمہ کردے۔

اس زمانے میں پسرور اور علی پور تک ریل نہ جاتی تھی ۔ لوگ اکوں (یکوں) پر آمد و رفت رکھتے تھے ۔ صبح ہوئی تو قریباً چھ اکے تیار دیکھے گئے۔ جن پر حضرت صاحب کے مرید اور ملازم مع اسباب وغیرہ تھے ۔ لوگ اپنے مطالب و مقاصد کے لئے حضرت صاحب کے گرد جمع تھے اور یہ شور سنائی دے رہا تھا کہ حضرت! میرے لئے بھی دعا فرمائیے ۔ حضرت صاحب دعا فرماتے تھے اور وہ شخص ہاتھ چوم کر علیحدہ ہو جاتا تھا ۔ جب سب لوگ ادھر ادھر ہوگئے تو میں بھی حضرت صاحب سے ملا اور عرض کیا ۔ حضرت! میرے لئے بھی دعا فرمائیے ۔ فرمایا کیا؟ میں نے عرض کیا بس یہی کہ خداوند کریم جو مقلب القلوب ہے اور ایک پل میں دلوں کو پھیر سکتا ہے ۔ آپ کو یہ توفیق رفیق کرے کہ آپ میری خاطر نہیں ۔ مولوی صاحب کی خاطر نہیں بلکہ پونچھ کے پہاڑی خطہ کے مسلمانوں کو اسلام کی صحیح تعلیم سے آگاہ کرنے کی خاطر مولوی صاحب کو پونچھ جانے کی اجازت عطا فرمائیں ۔ حضرت صاحب ہنس پڑے اور کہا بہت اچھا۔ مولوی صاحب! آپ کو اجازت ہے آپ ان کے ساتھ ابھی روانہ ہو جائیں ۔ میں نے کہا ۔ حضرت صاحب! دیکھئے اتنے لوگوں میں سب سے پہلا خوش نصیب میں ہی ہوں جس نے اپنی دعا کی مقبولیت یوں کھڑے کھڑے دیکھ لی،،[1]—

---

1. سرگزشت فوق ( غیر مطبوعہ )

''ایک مرتبہ میں (فوق) سری نگر میں خواجہ اکبر شاہ عشاوری رئیس زینہ کدل کے ہاں مقیم تھا پیر جماعت علی شاہ صاحب بھی کشمیر تشریف لائے۔ وہ حسب دستور خواجہ غلام مصطفیٰ بچھ مرحوم فتح کدل کی کوٹھی میں جو بر لب دریا ہے فروکش ہوئے۔ مجھے خبر ہوئی۔ میں سلام کو گیا۔ فرمایا جب تک ہم سری نگر میں مقیم ہیں یہیں آرہو۔ میں نے کچھ عذر کیا۔ آپ نے آدمی میرے ساتھ بھیجا اور وہ خواجہ اکبر شاہ کو پیر صاحب کا پیغام دے کر میرا بستر اٹھوا لایا۔ پیر صاحب کے ہاں ہر وقت بھیڑ بھاڑ رہتی تھی۔ تنہائی میں لکھنے پڑھنے کا سب لطف جاتا رہا۔ پابندی کی نمازیں۔ ان کے ساتھ نفل۔ ختم اور نعت خوانی۔ پھر مجلس کی باقاعدہ حاضری۔ میں اس قید بے زنجیر اور ان تکلفات کا عادی نہ تھا، ایک دن پیر صاحب نے خود ہی فرمایا۔ کہئے یہاں کوئی تکلیف تو نہیں؟ میں نے کہا آپ روشن ضمیر ہیں۔ جو تکلیف ہے وہ آپ سے چھپی ہوئی نہیں۔ فرمایا۔ اچھا نفل۔ ختم اور نعت خوانی کی مجالس میں آپ اپنی خوشی سے بیٹھ سکتے ہیں—

کشمیر میں پیر صاحب کی مجلس میں جو آتا تھا۔ قہوہ یا چائے ضرور پی کے جاتا تھا، ویسے بھی عوام کے علاوہ بڑے بڑے لوگ ان کے پاس آتے تھے۔ میں نے ہندواڑہ کے علاقے میں جو سری نگر سے پچاس میل کے فاصلے پر ہے ایک مرد اور عورت کو پیدل آتے دیکھا جو سری نگر میں صرف ان کی زیارت کرنے اور تعویز لینے کے لئے جا رہے تھے، کشمیر کے پیروں اور ان مولویوں اور واعظوں کو جو نذر نیاز لینے کے عادی ہیں پیر صاحب کی یہ ہر دل عزیزی اور مقبولیت دیکھ کر بہت فکر ہوئی کہ اس طرح تو رفتہ رفتہ ہمارے سب مرید جماعت شاہی سلسلہ میں داخل ہوتے چلے جائیں گے اور ہم ٹھن ٹھن گوپال رہ جائیں گے۔ چند پیر صاحبان نے مشورہ کرکے یہ صلاح کی کہ چلو خود پیر صاحب کی ملاقات کو جائیں۔ چنانچہ روانہ ہوئے اور مشہور یہ کیا کہ پیر صاحب نے ہم کو بلا بھیجا ہے۔ سری نگر آئے۔ پیر صاحب سے ملے اور قہوہ پیکر چلے گئے۔ واپس جا کر دیہات میں یہ مشہور کیا کہ پیر صاحب نے ہمیں اپنے علاقے کی خلافت عطا کرنے کے لئے بلایا تھا اور اپنی طرف سے لوگوں سے بیعت لینے کے اختیارات دئے ہیں۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ دور دراز مقامات سے شہر میں آنے کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف ہوتی اور ان کے کام میں ہرج ہوتا ہے۔ لوگ غریب ہیں۔ اس لئے گو آپ پہلے ہی بیعت لینے کے مجاز ہیں لیکن ہماری طرف سے بھی آپ کو اجازت ہے۔ پیرصاحبان کی یہ تجویز کارگر ہوگئی اور

دیہاتی لوگ جو فوج در فوج پیر صاحب کے پاس سری نگر میں دوڑ دوڑ کر جایا کرتے تھے وہ وہیں بیعت ہونے لگے،،[۱]—

خواجہ حسن نظامی دہلوی کا مدت سے یہ دستور تھا کہ وہ روحانی یادگار کے طور پر ہر سال بعض آدمیوں کو کسی علمی کارگذاری۔ انسانی خدمت یا خلوص قلب کے صلہ میں خطابات دیا کرتے تھے۔ جنوری ۱۹۱۵ء/۱۳۳۳ھ کے طریقت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال انہوں نے اقبال کو ''سرالوصال،، کا اور فوق صاحب کو ''وحدتی،، کا لقب عطا کیا۔ یہ انہی خدمات کے اعتراف میں تھا جو وہ طریقت کے ذریعہ سے اسلام۔تصوف اور صوفیوں کی کر رہے تھے—

چار پانچ سال تک یہ رسالہ بڑی شان سے نکلتا رہا۔ فوق صاحب خود بھی صوفیا کی مجلسوں میں بلائے جاتے رہے۔ آپ نے تصوف کے متعلق کئی مفید کتابیں بھی لکھیں۔ جن میں تذکرۃالصالحین۔تذکرہ علمائے لاہور۔حیات گنج بخش۔رح ناصح مشفق اور وجدانی نشتر وغیرہ خاص طور پر مشہور ہیں۔ اقبال نے وجدانی نشتر کا نام سوز و گداز تجویز کیا تھا۔ یہ کتاب صوفیوں کے حلقے میں بڑی مقبول ہوئی۔ اس کے چھ حصے تھے۔ پہلے کا نام تجلی۔دوسرے کا برق طور۔ تیسرے کا پیام وصال۔ چوتھے کا تیر و نشتر، پانچویں کا درد دل اور چھٹے کا حال کے قال تھا۔ اس میں قرآن مجید کی وہ انقلاب انگیز آیتیں اور عربی۔فارسی۔اردو اور پنجابی کے وہ دل گداز وجد آفریں۔ درد انگیز اور پر اثر اشعار مع اپنی پوری کیفیتوں کے جمع کئے گئے تھے جن کے پڑھنے یا سننے سے صاحب دل بزرگوں اور پاک باطن لوگوں پر خاص اثر ہوا یا جو دم واپسیں کی طرح مرنے والوں کے آخری کلمات ثابت ہوئے۔ اقبال کو اس کتاب کے دیکھنے کا بے حد اشتیاق تھا۔ چنانچہ آپ نے فوق صاحب کو لکھا[۲]—

''ڈیر فوق! السلام علیکم

آپ کا کارڈ ابھی ملا ہے۔ بھلا آپ کو آنے کی کیوں کر ممانعت ہو سکتی ہے۔ میں نے اس خیال سے لکھا تھا کہ آپ مصروف آدمی ہیں آنے میں ہرج ہوگا اور تکلیف مزید کہ انارکلی شیرانوالہ دروازہ سے دور ہے—

---

۱ سرگذشت فوق (قلمی) صفحہ ۱۲۰—۱۲۲۔

۲ رسالہ نقوش۔مکاتیب نمبر ص۔۲۹۵

کتاب جب آئیے تو ضرور ہمراہ لائیے ۔ بلکہ اس کے آنے میں دیر ہو تو بلا کتاب تشریف لائیے ۔ ۲۲ دسمبر کا کشمیری نہیں ملا اور نہ آپ کی تازہ کتاب وجدانی نشتر نظر سے گذری ہے ـــ والسلام

لاہور — آپ کا خادم

۲۱ دسمبر ۱۹۱۵ء — محمد اقبال

فوق صاحب نے کتاب بھیجی ۔ اقبال نے اسے بہت پسند کیا اور اسکے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا :ـــ

''مولوی محمد الدین فوق ایک صاحب ذوق آدمی ہیں ۔ ان کی جدت پسند طبیعت ہمیشہ انوکھی باتوں کی تلاش میں رہتی ہے ۔ حال میں انہوں نے ایک کتاب موسوم بہ وجدانی نشتر لکھی ہے جس میں ایسے عربی۔فارسی۔اردو۔ پنجابی اشعار جمع کردئے ہیں جو تاریخی اعتبار سے ایک خاص اثر اور سوز و گداز کا باعث ہوئے ہیں ۔ اس کتاب کی تالیف میں ان کو بہت محنت کرنی پڑی ہوگی مگر مولوی محمد الدین محنت سے گھبرانے والے نہیں ۔ کتاب نہایت اچھی ہے اور دلچسپ ۔ فوق صاحب کی تلاش قابل داد ہے اور انسانی قلب کی گوناگوں کیفیات پر روشنی ڈالتی ہے،،ـــ

اس کتاب کے چوتھے باب میں کہیں فوق صاحب نے حضرت میاں میر رح کے مرید اور شہزادہ دارا شکوہ کے مرشد ملا شاہ بدخشانی کا یہ واقعہ بھی لکھ دیا تھا کہ ایک دفعہ آپ نے کسی خاص جذبہ کے ماتحت یہ شعر کہا ـــ

پنجہ در پنجہ خدا دارم
من چہ پروائے مصطفیٰ دارم

شاہ جہاں نے علمائے دہلی سے فتویٰ طلب کیا اور ملا شاہ کو بلا کر کہا کہ اس شعر سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا پہلو نکلتا ہے ۔ حضرت ملا شاہ نے جواب دیا ۔ توہین تو وہ لوگ کرتے ہیں جو اپنے اور مصطفیٰ اور خدا میں تفریق کرتے ہیں ۔ خدا کے پنجہ میں آپ بھی ہیں ۔ میں بھی اور مصطفیٰ بھی۔ پھر پروا کس کی اور خوف کس بات کا ۔ اس پر بادشاہ خاموش ہوگیا اور لوگوں نے سمجھا کہ ملا شاہ کا جادو چل گیا ۔ وغیرہ وغیرہ ـــ

چونکہ اس واقعہ کا کتاب سے کوئی خاص تعلق نہ تھا۔ اس لئے اقبال نے اس کے متعلق نوق صاحب کو علیحدہ خط کے ذریعہ توجہ دلاتے ہوئے لکھا ۱۔

''ڈیر نوق: السلام علیکم

دونوں کتابیں مل گئی ہیں۔ انگریزی کتاب پہلے سے میرے پاس موجود ہے۔ افسوس ہے کہ آپ کو مفت میں تکلیف ہوئی۔
وجدانی نشتر خوب ہے۔ مگر تعجب ہے کہ شیخ ملا کے ملحدانہ و زندیقانہ شعر

''من چه پروائے مصطفیٰ دارم،،

کو آپ اس کتاب میں جگہ دیتے ہیں اور پھر ملا کی تشریح کس قدر بیہودہ ہے۔ یہی وہ وحدت الوجود ہے جس پر خواجہ حسن نظامی اور اہل طریقت کو ناز ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر رحم کرے اور ہم غریب مسلمانوں کو ان کے فتنوں سے محفوظ رکھے۔ وجدانی نشتر پر ریویو دوسرے صفحہ پر درج ہے۔

لاہور ۲۳ دسمبر ۱۹۱۵ء　　　　محمد اقبال

اقبال نے اپنے کلام میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ بتائی ہے کہ وہ نائب حق ہیں۔ ان کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے۔ ہر شے ان کے طابع فرمان ہے۔ یہاں تک کہ ان کے اشارۂ انگشت سے چاند دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ　　غالب و کار آفریں، کار کشا، کار ساز
پنجہ او پنجہ حق می شود　　ماہ از انگشت او شق می شود

اسی اثناء میں اقبال کی مثنوی اسرار خودی شائع ہوئی جس میں انھوں نے مسلمانوں کو عرفان نفس، تعین ذات اور قوت عمل کا احساس دلاتے ہوئے فلسفہ اشراق۔ عجمی تصوف اور صوفیانہ شاعری پر تنقید کی کہ انھی چیزوں کے اثر سے مسلمانوں کی پوری قوم قوت عمل سے یکسر محروم ہو گئی ہے۔ چونکہ

---

۱ رسالہ نقوش مکاتیب نمبر صفحہ ۲۹۵

یونان میں فلسفہ اشراق پھیلا اور ایران میں تصوف ۔ اس لئے حکیم افلاطون یونانی اور حافظ شیرازی کا ذکر بھی آیا اور اقبال نے تصوف کے بعض معتقدات سے اختلاف کرتے ہوئے انہیں بز اور گوسفند قرار دیا ۔ اس پر طبقہ صوفیاء بھڑک اٹھا اور ہر طرف سے مثنوی کی مخالفت میں مضامین شائع ہونے لگے ۔ اقبال نے اپنا نقطہ نظر واضح کرنے کے لئے بہت سے مضامین اخبار وکیل امرتسر میں شائع کرائے ۔ ۱۰ جنوری ۱۹۱۶ء کے شمارہ میں اقبال کا جو مضمون ''اسرار خودی اور تصوف،، کے عنوان سے نکلا اس کا آخری حصہ چونکہ فوق صاحب کے ایک استفسار کے جواب میں ہے ۔ اس لئے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے ۔ اقبال لکھتے ہیں —

''میرے دوست منشی محمد دین فوق ایڈیٹر ( اخبار کشمیری اور) رسالہ طریقت نے مجھ سے سوال کیا کہ تم نے حافظ پر کیوں اعتراض کیا ہے ۔ وہ رسالہ طریقت کے ایڈیٹر ہیں ۔ اس حیثیت سے ان کو تصوف میں دلچسپی ہے ۔ اس وقت فرصت کم تھی اور چونکہ مضمون طویل تھا ۔ میں نے ان کو کوئی جواب نہ دیا ۔ عام مسائل تصوف پر گفتگو کرتا رہا ۔ بعد میں انہوں نے اپنی تازہ تصنیف وجدانی نشتر میرے نام دیکھنے کے لئے ارسال فرمائی تو معلوم ہوا کہ ان کے سوال کا جواب ان کی تصنیف میں موجود ہے ۔ صفحہ ۴۹ پر مصنف لکھتے ہیں :—

''اورنگ زیب عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ نے جو بڑا متشدد بادشاہ تھا ایک مرتبہ حکم دیا کہ اتنی میعاد کے اندر جتنی طوائفیں ہیں سب نکاح کر لیں ورنہ کشتی میں بھر کر سب کو دریا برد کردوں گا سیکڑوں نکاح ہوگئے ۔ مگر پھر بھی ایک بڑی تعداد رہ گئی ۔ چنانچہ ان کے ڈبونے کے لئے کشتیاں تیار ہوئیں اور صرف ایک دن باقی رہ گیا ۔ یہ زمانہ حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادی کا تھا ۔ ایک حسین نوجوان طوائف روز مرہ آپ کے سلام کو آیا کرتی ، جب آپ ورد وظائف سے فارغ ہوتے وہ طوائف سامنے آکر دست بستہ کھڑی ہو جاتی جب ۔ آپ نظر اٹھاتے وہ سلام کرکے چلی جاتی ۔ آج جو وہ آئی تو بعد سلام عرض رسان ہوئی کہ آج خادمہ کا آخری سلام قبول ہو ۔ آپ نے حقیقت حال دریافت فرمائی ۔ جب تمام کیفیت بیان کردی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ حافظ شیراز کا یہ شعر —

در کوئے نیکنامی مارا گذر نہ دادند
گر تو نمی پسندی تغئیر کن قضا را

تم سب یاد کرلو اور کل جب تمہیں دریا کی طرف لے چلیں تو بآواز بلند اس شعر کو پڑھتے جاؤ ان سب طوائفوں نے اس شعر کو یاد کر لیا۔ جب روانہ ہوئیں تو یاس کی حالت میں نہایت خوش الحانی سے بڑے درد انگیز لہجے میں اس شعر کو پڑھنا شروع کیا۔ جس جس نے یہ شعر سنا دل تھام کر رہ گیا۔ جب بادشاہ کے کان میں آواز پہنچی تو بے قرار ہوگیا۔ ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ حکم دیا کہ سب کو چھوڑ دو،،۔

منشی محمد دین صاحب فوق کو معلوم ہو کہ جو ان کے نزدیک حافظ کا حسن ہے وہی میرے نقطہ نظر سے قبح ہے۔ اور وہ یہ کہ مسئلہ تقدیر کی ایک ایسی غلط مگر دل آویز تعبیر سے حافظ کی شاعرانہ جادوگری نے ایک متشرع اور نیک نیت بادشاہ کو جو آئین حقہ شرعیہ اسلامیہ کی حکومت قائم کرنے اور زانیات کا خاتمہ کرکے اسلامی سوسائٹی کے دامن کو اس بدنما داغ سے پاک کرنے میں کوشاں تھا۔ قلبی اعتبار سے اس قدر ناتوان کردیا کہ اسے قوانین اسلامیہ کی تعمیل کرانے کی ہمت ہی نہ رہی اور اگر عالمگیر دارا کے معاملے میں بھی ''با دشمنان مدارا،، پر عمل کرتا تو ہندوستان میں شریعت اسلامیہ کی حکومت کبھی قائم نہ ہوتی۔

مجھے امید ہے کہ اس تحریر سے آپ کے ناظرین کو میرا نقطۂ نظر سمجھنے میں مدد ملے گی اور وہ اس اعتبار سے اسلامی ادبیات کا مطالعہ کرکے اپنے نتائج خود پیدا کریں گے،،۔

اقبال کے کھرے دوست ہونے کی وجہ سے اہل طریقت فوق صاحب سے بھی آہستہ آہستہ بدظن ہوگئے اور انہوں نے رسالہ کا مقاطعہ شروع کردیا جس سے یہ پرچہ ڈولنے لگا اور اس کی جان کے لالے پڑ گئے۔

اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ یہ ہوا کہ انہی دنوں مولوی محمد عظیم ککھڑوی مرحوم جو پیر سید جماعت علی شاہ صاحب کے مریدوں میں بڑے خوش بیان واعظ تھے۔ حضرت شاہ صاحب کے بعض منہ لگے مشیروں سے کسی بات پر ناراض ہوگئے اور انہوں نے طریقت میں اصلاحی مضامین کا سلسلہ شروع کردیا۔ ابھی اس کے چند ہی نمبر نکلے تھے کہ چاروں طرف سے اس قسم کے مضامین پر اعتراض ہونے لگے۔ فوق صاحب نے اقبال سے ملکر کہا کہ آثار اچھے نظر نہیں آتے، لوگ آپ کی مثنوی اسرار خودی پر پہلے ہی بے دے کر رہے

تھے کہ آپ نے خواجہ حافظ شیرازی کی تعلیم پر— الحذر از گوسفندان الحذر کا فقرہ چست کر دیا ہے۔ اب ان اصلاحی مضامین سے صوفیاء کے حلقوں میں ناراضی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ اقبال نے فرمایا کہ فضا کی تاریکی سے ڈرنا ٹھیک نہیں۔ مخالفت کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہئے۔ آج کل کے پیروں اور صوفیوں کی اصلاح فی الحقیقت ثواب کا کام ہے۔ اگر اس اثناء میں یہ رسالہ بند بھی ہو جائے تو اسے جہاد اکبر سمجھنا چاہئے۔ آخر یہ رسالہ کسی طرح سنبھل نہ سکا اور جتنی تیزی سے یہ ترقی کی طرف بڑھا تھا، اتنی ہی جلدی بند ہو گیا—

اس کے بند ہوتے ہی فوق صاحب نے اس قسم کا ایک اور رسالہ ''نظام،، جاری کر دیا۔ مگر اقبال کو ''طریقت،، کے بند ہونے کا افسوس ہی رہا۔ چنانچہ ایک خط میں آپ نے اس کا اظہار اس طرح کیا—

''ڈیر فوق! السلام علیکم—

آپ کا خط معہ ملفوف اخبار مل گیا ہے۔ جس کے لئے شکریہ ہے۔ جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے بعض نمبر پنجاب پبلک لائبریری اور شاید یونی ورسٹی لائبریری میں بھی ہوں۔ آپ کسی روز جا کر خود دیکھیں—

رسالہ ''نظام،، کا اجراء مبارک ہو۔ میرے خیال میں تو آپ ''طریقت،، ہی کو فروغ دیتے تو شاید حضور نظام تصوف کی اشاعت کا صلہ عطا فرماتے۔ محمد دین صاحب (ایڈیٹر صوفی پنڈی بہاؤالدین) آپ سے بہتر نہیں لیکن وہ آدمی معاملہ فہم اور کاردان ہیں میں بھی آپ کے لئے انشاء اللہ کچھ لکھوں گا۔ حکیم محمد دین صاحب کئی روز سے نہیں ملے۔ خدا کرے اچھے ہوں۔ آپ سے ملیں تو میری طرف سے استفسار حال کیجئے—والسلام

محمد اقبال

۱۶ دسمبر ۱۹۱۸ء

فروری ۱۹۱۹ء میں رسالہ ''نظام،، کا پہلا پرچہ شائع ہوا جس میں ''مکافات عمل،، کے عنوان سے اقبال کے مندرجہ ذیل شعر درج تھے—

---

(۱) رسالہ نقوش مکاتیب نمبر جلد اول ص ۲۹۷

ہر عمل کے لئے ہے رد عمل دہر میں نیش کا جواب ہے نیش
شیر سے آسمان لیتا ہے انتقام غزال و اشتر و میش

سر گذشت جہاں کا سر خفی
کہہ گیا ہے کوئی نکو اندیش
شمع پروانہ را بسوخت ولے
زود بریاں شود بہ روغن خویش